مسئلہ ذبیحہ گائے

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

مسئلہ ذبیحہ گائے کے متعلق

بنام

ہندو، سکھ اور مسلم لیڈر صاحبان

(تحریر فرمودہ ۹ ستمبر ۱۹۲۹ء)

آپ کو قادیان کے مذبح کے متعلق ناگوار حالات اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکے ہوں گے۔ چونکہ یہ معاملہ اب بہت اہمیت اختیار کرتا جاتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اس بارہ میں میری مزید خاموشی سلسلہ احمدیہ کے مفاد کے بھی خلاف ہے اور ملک کے امن کی بربادی کا بھی موجب ہے اس لئے پیشتر اس کے کہ میں کوئی ایسی راہ اختیار کروں جو احمدیہ سلسلہ کے وقار اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ضروری ہو اور ملک سے شوریدہ سری کی روح کو دور کر کے حقیقی امن کی بنیاد رکھنے والی ہو میں نے مناسب سمجھا کہ میں ان سکھ، ہندو اور مسلمان لیڈروں اور بارسوخ افراد کو جو اس معاملہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ذاتی طور پر مخاطب کر کے ان کی رائے معلوم کر لوں تا کہ اگر کوئی ایسی راہ نکل سکے جس سے بغیر ایسے ذرائع کے اختیار کرنے کے جو مختلف اقوام کے لئے تکلیف دہ ہوں مسلمانوں کو ان کے حقوق بھی مل سکیں اور دوسری اقوام کے لئے بھی کسی ناواجب تکلیف کی صورت پیدا نہ ہو تو اسے اختیار کیا جائے۔ مذبح کے خلاف جن جن اخبارات نے لکھا ہے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کا اکثر حصہ راستی سے دور اور مبالغہ بلکہ خلاف بیانی سے پُر ہے۔ اصل واقعات یہ ہیں:-

قادیان میرے آباء واجداد کا بنایا ہوا قصبہ ہے اور اس کا اصل نام اسلام پور تھا جس کے

آخر میں قاضی کا لفظ اس وجہ سے زائد کیا جاتا تھا تا یہ ظاہر کیا جائے کہ مغلیہ حکومت کی طرف سے ایک قاضی اس علاقہ کی نگرانی کے لئے رہتا ہے لیکن مرورِ زمانہ سے یہ نام صرف قاضی اور پھر قاضی سے قادی اور قادی سے قادیان بن گیا۔ میرے آباء واجداد تین سو سال تک اس پر اور اس کے علاقہ پر پہلے تو مغلیہ حکومت کی طرف سے اور بعد میں طوائف الملوکی کے زمانہ میں آزادانہ طور پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ پرانی روایات اور سرلیپل گریفن کی کتاب "رُؤسائے پنجاب" اس امر پر شاہد ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کی حکومت سے پہلے ہمارے خاندان کی حکومت کے خلاف سکھ قبائل نے حملہ کیا۔ اور آہستہ آہستہ ان کے مقبوضات سے جو اسّی (۸۰) دیہات پر مشتمل تھے' ان کو بے دخل کرتے گئے یہاں تک کہ صرف قادیان ان کے قبضہ میں رہ گیا۔ اس سے بھی ان کو بے دخل کرنے کے لئے سکھ قبائل پاس کے قصبات میں ایک نیم دائرہ کی صورت میں آباد ہو گئے اور آخر میرے دادا کے والد کے زمانے میں میرے آباء کو قادیان چھوڑنا پڑا لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں قبائل کا زور ٹوٹنے پر میرے دادا صاحب پھر قادیان میں واپس آ گئے اور قادیان اور اس کے ملحقہ سات دیہات پر انہیں دخل مل گیا۔ اس کے بعد انگریزی حکومت اس ملک میں آئی تو برخلاف فوج کے دوسرے افسروں کے میرے دادا صاحب نے انگریزی حکومت سے خفیہ سازباز نہ کیا اور غالباً اسی وجہ سے ان کے مقبوضہ علاقہ کو گورنمنٹ نے ضبط کر لیا اور لمبے مقدمات کے بعد صرف قادیان کی ملکیت اور اس کے پاس کے تین گاؤں کی ملکیتِ اعلیٰ ہمارے خاندان کو ملی۔ میری غرض اس تمہید سے یہ ہے کہ قادیان اور اس کے پاس کے اکثر گاؤں اسلامی زمانہ کے آباد شُدہ ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی بناء پڑی ہے۔ پس ان کے ساتھ کوئی ہندو روایات وابستہ نہیں ہیں وہ شروع سے اسلامی روایات کے پابند رہے ہیں اور سوائے سکھوں کی حکومت کے چالیس پچاس سالہ عرصہ کے وہ کبھی بھی اسلامی حقوق کی بجاآوری سے محروم نہیں ہوئے۔ اس وقت بھی قادیان کی زرعی زمین کے مالک صرف مَیں اور میرے بھائی ہیں۔ اور محض تھوڑی سی زمین بعض احمدی احباب کے قبضہ میں ہے جنہوں نے وہ زمین ہم ہی سے بغرض آبادی حاصل کی ہے۔ ہندو اور سکھ صرف بطور مزارعان یا غیر مالکان آباد ہیں اور وہ بھی نہایت قلیل تعداد میں یعنی بمشکل کُل آبادی کا قریباً ساتواں حصہ۔

باوجود ان حالات کے اول میرے دادا صاحب نے اور بعد میں میرے والد صاحب

بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اور ان کے بعد مَیں نے قادیان میں گائے کے ذبیحہ کو محض اس وجہ سے روکے رکھا کہ اس وقت تک اس کی اقتصادی طور پر زیادہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی تھی اور ہم پسند نہیں کرتے تھے کہ خواہ مخواہ ہماری ہمسایہ اقوام کا دل دکھایا جائے۔

قادیان کے کئی ہندو اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ چند سال ہوئے کہ جب بعض لوگوں نے قادیان کے ملحقہ گاؤں سے مذبح کی درخواست دی تو میں نے حکام کو کہلا کر مذبح کو رُکوا دیا اور ایک معزّز ہندو صاحب کی تحریر بھی اس بارہ میں میرے پاس موجود ہے جو بوقتِ ضرورت پیش کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس امر کا ثبوت کہ اپنے ہمسایوں کے احساسات کا میں نے پورا خیال رکھا ہے یہ بھی ہے کہ جس حد تک قانون گائے ذبح کرنے کو جائز قرار دیتا ہے' میں اس سے بھی جماعت کو برابر روکتا رہا ہوں بلکہ بعض لوگوں کو تو یہ معلوم ہونے پر کہ انہوں نے اس معاملہ میں فتنہ کا طریق اختیار کیا ہے' میں نے چھ چھ ماہ یا سال سال کے لئے قادیان سے نکال دیا۔

غرض جب تک کہ اقتصادی ضرورت انتہاء کو نہیں پہنچ گئی میں نے اپنے ہمسایوں کے احساسات کو اپنی جماعت کے مالی نقصان پر مقدم رکھا اور زور سے انہیں ان کے حق کے استعمال سے باز رکھا۔ لیکن قادیان کی آبادی بوجہ احمدی جماعت کا مرکز ہونے کے اس سُرعت سے بڑھ رہی ہے کہ بہت کم شہروں میں جو اس حیثیت کے ہوں اس کی مثال ملتی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کا اثر طبعی طور پر قادیان اور اس کے گردو نواح پر پڑنا تھا اور پڑا اور لوگوں میں یہ مطالبہ بڑھتا گیا کہ کثیر التعداد آبادی کو قلیل التعداد جماعت کے احساسات کی خاطر آپ مالی نقصان کیوں پہنچاتے ہیں۔ آبادی کی زیادتی کے ساتھ ساتھ جب میں نے دیکھا کہ ملک کی عام مالی حالت کی خرابی کی وجہ سے ان کے خورو نوش کے سامانوں کا مہیا ہونا بھی مشکل ہو رہا ہے اور لوگ نہایت تنگ حال ہو رہے ہیں تو لوگوں کے بار بار کے اصرار پر اور یہ دیکھ کر کہ سکھ لوگ جھٹکا کی دکان کھولنے کی تجویزیں کر رہے ہیں' میں نے اجازت دے دی کہ اگر کوئی شخص چاہے تو مذبح کے لئے درخواست دے سکتا ہے۔ لیکن میں نے اپنا آخری فیصلہ آئندہ پر ملتوی رکھا۔

اس کے بعد مَیں چند روز کے لئے لاہور گیا اور اپنے برادرِ نسبتی عزیزم لفٹنٹ خلیفہ تقی الدین احمد۔ آئی۔ ایم۔ ایس کے مکان پر مقیم تھا کہ رات کے گیارہ بجے قادیان کے

سات ہندوؤں کا ایک وفد میرے پاس آیا اور مجھ سے شکایت کی کہ قادیان میں مذبح کھُلنے والا ہے میں اس کا تدارک کروں۔ اس وفد کے رئیس پنڈت دولت رام ممبر میونسپل کمیٹی قادیان تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک طرف لوگ اپنی مشکلات کا رونا رو رہے ہیں' دوسری طرف سکھوں نے جھٹکا کا کام شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے ان حالات میں مَیں قادیان جاکر اور فریقین کے حالات سن کر ہی فیصلہ کر سکتا ہوں اور انہیں تسلی دلائی کہ جس حد تک ممکن ہو گا' میں ایسی صورت اختیار کروں گا تاکہ طرفین کی ضرورت اور احساسات کا لحاظ رکھا جائے۔ پس وہ قادیان جانے پر مجھ سے ملیں۔ میں دوسرے ہی دن قادیان کو روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچنے پر ہندو صاحبان کا ایک بڑا وفد میرے پاس اسی غرض کے لئے آیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ سکھوں نے جھٹکا کا سوال چھیڑ کر میری پوزیشن نازک کر دی ہے کیونکہ ذبیحہ گائے کا روکنا احساسات کے احترام پر مبنی ہے اور مسلمانوں میں یہ شکایت پیدا ہو چکی ہے کہ جب دوسرا فریق ہمارے احساسات کا خیال نہیں رکھتا تو ہمیں اس کے احساسات کے لئے اس قدر بڑی قربانی پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے اس لئے پہلے مجھے سکھوں سے اور اپنی جماعت کے علاوہ دوسرے مسلمانوں سے بات کرنے کا موقع دیں۔ اس پر وہ لوگ چلے گئے۔

دوسرے دن ایک آریہ صاحب ایک پاس کے گاؤں کے جتھے دار اور ایک سکھ ڈاکٹر کو لے کر میرے پاس آگئے اور کہا کہ آپ سکھوں سے بات کرنا چاہتے ہیں' سو یہ لوگ آگئے ہیں۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ میں خود قادیان کے سکھوں کو بلواؤں گا۔ آپ صرف ایک قادیان کے آدمی اور ایک جتھے دار کو لے کر آگئے ہیں مگر بہرحال میں ان کی بات سننے کو تیار ہوں۔ ان لوگوں نے مجھ سے سوال کیا کہ جب پہلے گائے کے ذبیحہ سے آپ روکتے تھے تو اب آپ نے مذبح کی درخواست کی کیوں اجازت دے دی ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ آپ لوگوں کا سوال بھی اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ موجودہ درخواست کسی دشمنی یا دل کے دکھانے کی غرض سے نہیں ہے کیونکہ جب میں پہلے آپ کے احساسات کا خیال رکھتا رہا ہوں تو اب کیوں بِلاوجہ ان کو صدمہ پہنچاؤں گا۔ ہاں اگر آپ وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ ایک تو لوگوں کی اقتصادی حالت اور بڑھتی ہوئی مسلمان آبادی نے حالات بدل دیئے ہیں۔ اور دوسرے جھٹکا کے سوال کے پیدا ہونے کے سبب سے میں دیانت دارانہ طور پر اس قدر زور نہیں دے سکتا جس قدر کہ پہلے دے سکتا تھا۔ ہاں میں نے ان کو یہ بھی کہا کہ میرے

نزدیک جھٹکا پر مسلمانوں کا اعتراض بھی ویسا ہی فضول ہے جیسے گائے کے ذبیحہ پر ہندوؤں کا لیکن سمجھوتہ کراتے وقت یہ سوال نہیں ہوتا کہ مطالبہ معقول ہے یا نہیں بلکہ لوگوں کے احساسات کا جو غلط ہوں یا صحیح لحاظ رکھنا پڑتا ہے گو مجھے جھٹکا پر کوئی اعتراض نہیں لیکن چونکہ اب دوسرے مسلمانوں کے احساسات کا بھی سوال آگیا ہے جن کو جھٹکا پر اعتراض ہے اور پھر چونکہ میں جج نہیں بلکہ ایک سمجھوتہ کرانے والے کی حیثیت رکھتا ہوں۔ میرا فرض ہے کہ طرفین کے احساسات کا یکساں خیال رکھوں۔

اس گفتگو کے دوران میں جتھہ دار صاحب نے مجھے دھمکی دی کہ اگر گاؤکشی کی اجازت ہوئی تو آپ یاد رکھیں کہ فساد ہو جائے گا اور اس دھمکی کے جواب میں میری شرافت کا صرف ایک ہی تقاضا تھا کہ میں انہیں یہ کہتا کہ اگر آپ فساد سے ڈرا کر اس امر کو روکنا چاہتے ہیں تو میں ہرگز ہرگز اسے نہیں روکوں گا۔ اور یہی میں نے ان کو جواب دیا۔

چونکہ میں نے دیکھا کہ سکھ صاحبان میرے لئے ایسا موقع مہیا کرنے پر تیار نہ تھے کہ میں دوسرے فریق پر زور دے کر اگر ان کو کُلّی طور پر نہ روک سکوں، کم از کم ایک ایسا سمجھوتہ کرادوں جس سے فریقین کی کم سے کم دل آزاری ہو اس لئے میں نے مسلمانوں کو بلوا کر ان سے مشورہ کرنا ضروری نہ سمجھا اور اس امر کا منتظر رہا کہ ہندو صاحبان کا نمائندہ جب انہیں جا کر اطلاع دے گا اور وہ مجھ سے آکر ملیں گے تو اس وقت آئندہ طریق عمل پر غور کروں گا۔ لیکن وہ لوگ پھر میرے پاس نہ آئے اور میں نے سنا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ درست ہے یا نہیں کہ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ جھٹکا کو چلنے دو گائے کا سوال خود زور سے طے کر لیں گے۔ اس طرح یہ دونوں سوال چلتے رہے میرے کہنے پر مسلمانوں کی طرف سے جھٹکا پر کوئی اعتراض نہ ہوا اور بر سر بازار جھٹکا کی دکان کھل گئی اور مذبح کے متعلق ایک لمبے عرصہ کے غور اور ہندوؤں کے جذبات کا کافی خیال رکھنے کے بعد ڈپٹی کمشنر صاحب نے اجازت دے دی اور مذبح اس طرف بنایا گیا جس طرف کہ مسلمان گاؤں ہیں۔ اور اس کی فروخت کے لئے ایسے محلّہ میں دُکان کھلوائی گئی جس کی ۱۰۰ فیصد آبادی مسلمان ہے۔

مَیں نے دورانِ ملاقات میں ہندو صاحبان اور سکھ صاحبان کو بھی کہہ دیا تھا اور اب بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک ملک میں امن اسی اصل پر کاربند ہونے سے ہوگا کہ ہر قوم دوسری قوم کے معاملات میں دخل دینے سے اجتناب کرے۔ مسلمانوں کو ان کی مرغوب

چیزوں کے استعمال کرنے کی پوری آزادی ہو اور ہندوؤں اور سکھوں کو ان کی مرغوب چیزوں کے استعمال کی۔ہاں بغیر آزادی کو محدود کرنے کے دوسرے کے احساسات کا جس قدر خیال رکھنا ممکن ہو رکھا جائے۔ جب تک ہندو مسلمان اور سکھ اس اصل کی پابندی نہیں کریں گے کبھی امن نہیں ہو گا اور کبھی نہیں ہو گا۔

اب میں پھر واقعات کی طرف آتا ہوں۔ حکام ضلع کی منظوری کے بعد مذبح قائم ہو گیا۔ اور جب کہ میں کشمیر آیا ہوا تھا۔ میرے پیچھے ہی اس میں ذبیحہ بھی شروع ہو گیا۔ اس پر جیسا کہ مجھے باقاعدہ رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے قادیان سے بعض ہندو جو شروع سے ہی مذبح کے خلاف آس پاس کے گاؤں میں سکھوں اور ہندوؤں کو اکسا رہے تھے۔ انہوں نے خوب لوگوں کو جوش دلایا اور آخر سات اگست ۱۹۲۹ء کو سکھوں اور ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد نے پولیس کی موجودگی میں مذبح گرا دیا اور اینٹوں تک کے ٹکڑے کر دے۔ احمدیہ جماعت موقع پر مقابلہ سے مجتنب رہی ورنہ اپنی طاقت اور قوت کے لحاظ سے اور قریب کے دیہات کی مزید مدد کے ساتھ وہ اس قابل تھی کہ حملہ آوروں کو ایسا تلخ جواب دیتی کہ انہیں مدتوں تک یاد رہتا مگر انہوں نے امن پسندی کو اور قانون کے احترام کو اپنے جوش پر مقدم کیا۔

لیکن افسوس ہے کہ اس امن پسندی کا جواب عام طور پر ہندو اخباروں کی طرف سے نہایت ہی قابل شرم ملا ہے۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ اپنے ہم مذہبوں کے ناجائز رویہ پر اظہار افسوس کرتے خلاف بیانی اور مغالطہ دہی سے ان کی تائید کرنی شروع کی اور انہیں اور بھی اکسایا۔ اور بجائے اس کے کہ انہیں ملامت کرتے' ان کی اور بھی پیٹھ ٹھونکی اور اس قدر شور برپا کیا کہ اس سے متاثر ہو کر گورنمنٹ کے بعض افسر بھی ڈر گئے اور انہوں نے سخت قابلِ اعتراض رویہ اختیار کیا۔

بعض سکھ لیڈروں کا قابلِ تعریف رویہ

لیکن اس کے مقابلہ میں سکھوں کے بعض لیڈروں اور ان کے بعض اخبارات نے نہایت قابل تعریف رویّہ اختیار کیا اور فساد سے پہلے بھی سکھوں کو اس میں شمولیت سے روکا۔ اور بعد میں بھی ان لوگوں کے فعل کو جنہوں نے مذبح گرایا تھا ناپسند کیا۔

اس وقت کمشنر صاحب کے سامنے اپیل پیش ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ کیا فیصلہ کریں۔ لیکن ان کا موجودہ رویہ بہت ہی قابل اعتراض ہے۔ مگر اس وقت سوال ان کے فیصلہ

کا نہیں ہے کیونکہ جو ہمارا حق ہے ہم اسے آج نہیں تو کل لے کر رہیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس فتنہ کا اثر ہندوستان کی دو نہیں تین قوموں پر جنہوں نے چند سال کے لئے نہیں، ہمیشہ ہندوستان میں رہنا ہے 'کیا پڑے گا؟

میں بتا چکا ہوں کہ میں مدتوں تک مذبح کے خلاف رہا ہوں۔ نہ اس وجہ سے کہ میں مسلمانوں کا اس بارہ میں حق نہیں سمجھتا بلکہ اس وجہ سے کہ میرے نزدیک باوجود قانونی اور عقلی حق کے جہاں تک ہو سکے اپنے ہمسایہ کے جذبات کا احترام کرنا چاہئے۔ مگر میرے نزدیک ہمسایہ کا بھی فرض ہے کہ وہ اس امر کا خیال رکھے کہ قربانی کرنا صرف دوسرے پر ہی واجب نہیں اس کا بھی فرض ہے کہ جب کسی دوسرے کو حقیقی اور مادی نقصان پہنچ رہا ہو وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھے اور سمجھے کہ اس کا مذہب صرف اس کے اعمال پر حکومت کر سکتا ہے دوسرے مذہب کے پیروؤں پر اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

غرض گو مَیں اس وقت تک کہ اقتصادی حالت نے مجبور نہیں کر دیا مذبح کے خلاف رہا ہوں لیکن اب جب کہ اس طرح ظالمانہ طور پر اور امن عامہ کی ذرّہ بھر بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے قادیان اور اس کے نواحی علاقہ کے سکھوں اور ہندوؤں نے مذبح گرا دیا ہے ذبیحہ گائے کا سوال ایک نئی صورت میں میرے سامنے آیا ہے۔ اس واقعہ نے مجھ پر روشن کر دیا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون ہی اصل قانون ہے اور اس کے بغیر اور کسی قانون کی حرمت ان کی نگاہ میں نہیں ہے۔ اس تلخ حقیقت کو اس امر نے اور بھی نمایاں کر دیا ہے کہ مہابیر دَل نام کی ایک سوسائٹی کی طرف سے یہ اعلان ہوا ہے کہ اگر ذبیحہ گائے کی اجازت مل گئی تو اس کے ممبر دوبارہ بھی جبر اور تعدّی سے اس کام کو روکنے سے باز نہیں رہیں گے۔

میرے نزدیک موجودہ حالات نے مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ مجبور کر دیا ہے کہ وہ گائے کے ذبح کرنے کے حق کو استعمال کریں۔ اور جہاں یہ حق حاصل نہ ہو وہاں اس کے حاصل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ پہلے تو اقتصادی حالت کا ہی تقاضا تھا۔ کہ وہ گائے کے گوشت کو استعمال کریں اب مذہبی اور اخلاقی حالات بھی اس کا مطالبہ کرنے لگ گئے ہیں۔ مذہبی حق اس طرح کہ اسلام میں کسی وجود کا حد سے بڑھ کر احترام شرک ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل چونکہ فرعونیوں میں رہتے تھے جن میں کہ گائے ایک مقدس

وجود سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے ہمسائیوں کے خیالات کے بد اثرات سے بچانے کے لئے انہیں گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پس جب کہ ہندو صاحبان مسلمانوں کو مجبور کرنے لگے ہیں کہ وہ کسی صورت میں بھی گائے ذبح نہ کیا کریں تو ہمیں ڈر ہے کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں آہستہ آہستہ گائے کا ناواجب احترام کرنے لگیں گی اور جس طرح انہوں نے اور کئی بد رسوم ہندوؤں کی اختیار کر لی ہیں گائے کی عزت بھی مُشرکانہ طور پر ان کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی۔ اور یہ ایک خیالی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ سکھوں میں اس کی نظیر ملتی ہے۔ سکھ لوگ موحّد ہیں اور مُشرکانہ خیالات ان کے اصول مذہب کا جزو نہیں ہیں لیکن باوجود اس کے چونکہ ہندوؤں سے ان کی رسوم ملتی تھیں ان سے رشتہ ناطہ کا تعلق رکھنے کی خاطر انہوں نے گائے کا کھانا ترک کر دیا۔ اب گو وہ کہتے تو یہی ہیں کہ گائے کی عزت ہمارے مذہب کا جزو نہیں صرف اقتصادی طور پر ہم اس کے ذبح کرنے کے مخالف ہیں لیکن حق یہی ہے کہ ان کے دلوں میں آہستہ آہستہ اس کی عزت گھر کر چکی ہے ورنہ اقتصادی طور پر گائے کی حفاظت کا خیال مسلمانوں میں زیادہ ہونا چاہئے تھا جن کے زمینداروں کی تعداد پنجاب میں سکھوں سے بہت زیادہ ہے۔

پھر یہ اقتصادی سوال عقلاً بھی درست نہیں۔ یورپ کے لوگ گائے کا گوشت کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور ان کے ملک کی گائے ہمارے ملک کی گائے سے بہت اچھی ہوتی ہے۔ اور گائے کی تعداد کو بھی بے روک گاؤکشی نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس ملک میں جس جانور کی کھپت زیادہ ہوگی اس کی پیدائش بھی زیادہ ہو جائے گی کیونکہ اس کے فوائد کی کثرت کی وجہ سے اس کی قدر بڑھ جائے گی اور لوگ اسے زیادہ پالنے لگیں گے۔ گائے کی حفاظت گاؤکشی کے روکنے سے ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی نسل کشی کی طرف توجہ کرنے سے ہوگی۔ یو۔ پی جس میں کثرت سے گائے ذبح ہوتی ہے وہاں گائے کی تعداد اس کی نسل کی عمدگی میں پنجاب کی نسبت جہاں کہ بہت سی روکیں ہیں، کوئی کمی نہیں آئی۔

اخلاقی طور پر بھی اس جبر کی وجہ سے یہ سوال زیادہ اہم ہو گیا ہے کیونکہ جبر کے ماتحت کسی امر سے رُکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اب جب کہ جبر اور تعدّی سے کام لیا گیا ہے اور آئندہ کے لئے بھی دھمکی دی گئی ہے ہر مسلمان کا فرض ہوگا کہ وہ

قانون کے اندر رہتے ہوئے ہر ممکن طریق سے اس سرکشی والی روح کا مقابلہ کرے اور اپنی آئندہ نسل کو غلامی اور بزدلی کی دو لعنتوں سے بچائے اور مسلمان اگر اس فتنہ کا مقابلہ نہیں کریں گے تو یقیناً آئندہ وہ شودروں کی طرح ہو کر رہیں گے۔ ان حالات کو آپ کے سامنے پیش کر کے میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اگر کوئی ایسی راہ ہے کہ مسلمان اپنی ضروری غذا کو بھی حاصل کر سکیں اور ان کی مذہبی اور اخلاقی حالت بھی درست رہے اور ان کے ہمسائیوں کے جذبات بھی ناواجب طور پر زخمی نہ ہوں تو آپ مجھے اس سے مطلع کریں میں ہر معقول تجویز پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔

آپ پر یہ بھی واضح رہے کہ مجھے ہرگز ان لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے جنہوں نے بعض شریروں کے اُکسانے سے مذبح کو گرا دیا ہے۔ میں ہرگز اس پر خوش نہیں کہ ضرور ان کو سزا ہی ملے۔ اگر مسلمانوں کے جائز حقوق ان کو مل جائیں اور اگر یہ وحشیانہ طریق ترک کر دیا جائے اور دوسرے کے کاموں میں خواہ مخواہ دخل نہ دیا جائے تو میں بڑی خوشی سے ان لوگوں کو معاف کر دوں گا اور دوسری اقوام سے مل کر گورنمنٹ سے درخواست کروں گا کہ آئندہ دلوں کی صفائی کیلئے ان لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔

اسی طرح مَیں ہر وہ تجویز جس سے ہندوؤں اور سکھوں کے احساسات کا ممکن سے ممکن حد تک خیال رکھ کر مذبح کو جاری کیا جا سکے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں اور اس پر جہاں تک میرا اختیار اور میری طاقت ہے عمل کرانے کا ذمہ وار ہوں۔ مثلاً اگر مجھے یہ بتایا جائے کہ قادیان کے نواح میں شہر سے باہر (کیونکہ حفظان صحت کا خیال ضروری ہے) فلاں جگہ مذبح بنایا جائے، پہلی جگہ پر نہ ہو یا یہ کہ دیواریں پہلے سے زیادہ اونچی ہوں یا مثلاً یہ کہ دوکانیں صرف شہر کے فلاں فلاں حصہ میں رکھی جائیں یا اور ایسی ہی تجاویز جن سے ہندوؤں اور سکھوں کے احساسات کو کم سے کم صدمہ پہنچتا ہو پیش کی جائیں تو میں انشاء اللہ ان کی تائید کروں گا اور ان کے حصول کے لئے ہندوؤں اور سکھوں کی پوری مدد کروں گا۔ لیکن اگر مجھے اس پر مجبور کیا جائے کہ گائے کے ذبیحہ کو کُلّی طور پر بند کر دیا جائے تو میں اسے نہ صرف خلاف عقل مطالبہ سمجھتا ہوں بلکہ گذشتہ طاقت کے مظاہرہ کے بعد ذبیحہ گائے کے ترک کو مسلمانوں کے اخلاق کو بھی اور ان کے مذہب کو بھی برباد کرنے والا سمجھتا ہوں اور اس کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں بلکہ اس مطالبہ کی صورت میں مَیں یہ اپنا فرض سمجھوں گا کہ مسلمانوں کو اس ظلم سے

بچاؤں اور جس قدر تدابیر گائے کے گوشت کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے لئے ممکن ہو سکتی ہوں، انہیں اختیار کروں۔

میرے نزدیک ہمارے برادرانِ وطن کو یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف نئے مذبحوں کے اجراء ہی سے گائے کے گوشت کا استعمال زیادہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے اور بھی طریق ہیں۔ مثلاً یہ کہ جس جس جگہ پر پہلے سے مذبح موجود ہے اگر وہاں کے مسلمان جو پہلے شاذو نادر گائے کا گوشت استعمال کرتے تھے آئندہ عہد کرلیں کہ وہ گائے کا گوشت ہی استعمال کیا کریں گے یا اکثر استعمال کیا کریں گے تو وہ سمجھ لیں کہ چند ماہ میں بیسیوں مذبحوں سے زیادہ گائے کے گوشت کی کھپت شروع ہو جائے گی۔ اسی طرح مثلاً اگر ان قصبات کے لوگ جہاں پہلے گائے کا گوشت نہیں ہوتا تھا قریب کے مذبحوں سے گائے کا گوشت منگوا کر استعمال کرنا شروع کردیں تو اس کا علاج ان کے پاس کیا ہے یا مثلاً اگر دیہات کے لوگ جن پر موجودہ قانون حاوی نہیں ہے گائے زیادہ ذبح کرنے لگیں تو اس کا علاج ان کے پاس کیا ہے؟ غرض ایسے بہت سے ذرائع ہیں کہ جن کو اختیار کر کے پنجاب میں چند ہی ماہ میں گائے کے گوشت کی کھپت دگنی سے بھی زیادہ کی جا سکتی ہے اور ان ذرائع کے اختیار کرنے سے ہندوؤں اور سکھوں کے احساسات کو بھی پہلے سے زیادہ صدمہ پہنچے گا۔ اور اگر گورنمنٹ دخل دے گی تو یقیناً یہ تحریک اور بھی زیادہ طاقت پکڑ جائے گی اور ہر مسلمان گاؤں کا براہ راست گورنمنٹ سے مقابلہ شروع ہو جائے گا۔ لیکن گورنمنٹ سے بہت زیادہ تکلیف خود ہندو صاحبان کے احساسات کو پہنچے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ میرے خط کا جلد جواب دے کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔ لیکن اگر آپ نے اس طرف جلد توجہ نہ کی اور بعد میں کوئی ناگوار صورت حالات پیدا ہوئی تو میں سمجھتا ہوں کہ اپنی قوم کا درد اور ملک کی محبت رکھنے کی وجہ سے آپ کو بھی ضرور تکلیف محسوس ہوگی۔ مگر چونکہ وقت پر آپ نے خبر نہ لی ہوگی آپ کو مجھے ہی نہیں بلکہ اپنی قوم کو بھی کچھ کہنے کا حق نہ ہوگا اور نہ آپ کو یہ حق ہوگا کہ آپ مجھ پر خصوصاً اور باقی مسلمانوں پر عموماً یہ اعتراض کریں کہ ہمیں حالات کو بہتر بنانے کا موقع نہیں دیا گیا۔ یا یہ کہ ایسے ذرائع کو اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی گئی جو ملک میں صلح اور آشتی پھیلانے کا موجب ہوتے۔

پیشتر اس کے کہ مَیں اس خط کو ختم کروں میں سکھ لیڈروں کو خصوصیت کے ساتھ اس

امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے ان کے جائز حقوق کا ہمیشہ احترام کیا ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں جب ایک احمدی نو مسلم کی کتاب کے خلاف انہوں نے احتجاج کیا کہ اس سے ان کی دل آزاری ہوئی ہے تو گورنمنٹ نے بھی ان کی آواز پر توجہ نہ کی تھی کہ میں نے خود اس کتاب کو ضبط کر لیا اور انہیں اس امر کا اقرار ہوگا کہ میرا ضبطی کا حکم گورنمنٹ کے حکم سے زیادہ مؤثر تھا۔ کیونکہ نہ صرف اس کتاب کی خریداری رک گئی بلکہ فروخت شدہ کتاب یا اس کے قابل اعتراض حصے ہر جگہ جلا دیئے گئے۔ پس میں مخلصانہ طور پر انہیں مشورہ دینے کا حق رکھتا ہوں کہ گاؤ کشی کے سوال کے متعلق فیصلہ کرنے سے پہلے وہ دو باتوں پر غور کر لیں۔ اول اس کا مذہبی پہلو ہے۔ سکھ اصحاب یہ امر بھلا نہیں سکتے کہ حضرت باوا نانک عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے توحید کے قیام کے لئے ہر قسم کی قربانی سے کام لیا ہے۔ پس جس چیز کو قائم کرنے کے لئے انہوں نے اپنی جانوں اور اپنے آرام کو قربان کر دیا تھا اس چیز کو محض ایک عارضی معاہدہ کے قیام کے لئے تباہ ہونے دینا ہرگز اپنے آباء کی خدماتِ توحید کا اچھا اعتراف نہ ہوگا۔

دوسرے انہیں یہ بات نہ بھلانی چاہئے کہ جب تک گاؤ کشی کے متعلق عام سکھوں کے جوش کی موجودہ حالت قائم رہے گی اس وقت تک سکھ پبلک کے دو لیڈر رہیں گے۔ ایک ہندو ساہوکار اور دوسرے سکھوں کے قومی لیڈر۔ چنانچہ مذبح قادیان کا واقعہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔ باوجود اس کے کہ سردار کھڑک سنگھ صاحب جیسے قومی لیڈر خود قادیان میں کہہ آئے تھے کہ گاؤ کشی پر سکھوں کو اور جھٹکا پر مسلمانوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ مسلمانوں نے تو ان کی نصیحت پر عمل کر کے جھٹکا پر اعتراض نہ کیا مگر سکھوں کو ہندو جوش دلانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر انہدامِ مذبح کے بعد بھی اکالی اور خالصہ سکھوں کے دونوں حصوں کے مؤقّر اخبارات کے سمجھانے کے باوجود قادیان اور اس کے گرد و نواح کے سکھوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ پس گاؤ کُشی کے متعلق سکھوں کے رائج الوقت خیالات ان کے قومی شیرازہ کے باندھنے میں بھی روک ہیں۔

پس امید ہے کہ اپنے مذہب کی جان یعنی توحید کی حفاظت اور اپنے قومی شیرازہ کی مضبوطی کو مدنظر رکھتے ہوئے سکھ لیڈر اپنی قوم کو اس مُشرکانہ خیال کی تائید میں کھڑا ہونے سے باز رکھیں گے بلکہ توحید کے قیام کے لئے ہمارے دوش بدوش کھڑے ہوں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اوپر کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مسلمان اپنے

ہمسائیوں کے احساسات کا جائز احترام کرنے کو تیار ہیں اس امر کو ترجیح دی جائے گی کہ جن جن مسلمانوں کو جائز طور پر مذبح کی ضرورت ہے ایسی شرائط کے ساتھ ان کو اجازت دی جائے کہ ان کے ہمسائیوں کو ناواجب تکلیف نہ ہو اور ایسے حالات سے ملک کو بچایا جائے جو اس کے امن کو برباد کرنے والے اور اس کی آزادی کو نقصان پہنچانے والے ہوں۔ اس جابرانہ رویّہ کو دیکھتے ہوئے جو قادیان کے مذبح کے انہدام میں تیار کیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کو کُھلا چیلنج ہے اور اس رویّہ کو دیکھتے ہوئے جو بعض ہندو اخبارات نے اس موقع پر اختیار کیا ہے میرے جذبات جس قدر متأثر ہیں میں نے اس کا اظہار اس مضمون میں نہیں ہونے دیا تاکہ میری اصل غرض فوت نہ ہو جائے۔ مگر میں امید کرتا ہوں کہ باوجود اس کے آپ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کریں گے کہ ایک زندہ قوم اپنی آئندہ نسل کو روحانی اور اخلاقی موت میں پڑنے کے خطرہ میں دیکھ کر انتہائی جدوجہد کرنے کے بغیر خاموش نہیں ہوگی۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان

حال سرینگر کشمیر

۹۔ ستمبر ۱۹۲۹ء

(الفضل ۲۰۔ ستمبر ۱۹۲۹ء)